اولوالعزم انبیاء کرام:

تمام انبیاء کرام بنیادی صفات میں برابر ہونے کے ساتھ بعض بعض پر فضیلت رکھتے ہیں۔ ان میں سے بعض کو دعوت و تبلیغ کی راہ میں غیر معمولی دشواریاں اور مصائب پیش آئے جس کا انھوں نے مردانہ وار مقابلہ کیا اور عزم وہمت کے ساتھ اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔ ساری مصیبتیں ہنستے کھیلتے برداشت کیں، اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ انھیں رسولوں کو اللہ تعالیٰ نے "اولوالعزم رسولوں" کے لقب سے سرفراز کیا۔ فرمایا: ﴿ فَٱصۡبِرۡ كَمَا صَبَرَ أُوْلُواْ ٱلۡعَزۡمِ مِنَ ٱلرُّسُلِ ﴿٣٥﴾ ﴾ (الأحقاف: ٣٥) ترجمہ: پس (اے پیغمبر!) تم ایسا صبر کرو جیسا صبر عالی ہمت رسولوں نے کیا۔ اولوالعزم انبیاء یہ ہیں: حضرت محمد ﷺ، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔

انبیاء کرام پر ایمان کا لازمی تقاضہ ہے کہ ہم انھیں ان صفات سے متصف گردانیں جن کی بتمام و کمال موجودگی منصب رسالت کی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لئے ازبس ضروری ہے اور ان عیوب و نقائص سے انھیں پاک وصاف سمجھیں جن کے ہوتے ہوئے وہ اللہ کے بندوں کے لئے نمونہ اور اسوہ نہیں بن سکتے۔ ایک ایسا شخص جو لوگوں سے دنیاوی معاملات میں جھوٹ بول سکتا ہو، غلط بیانی سے کام لے سکتا ہو، قول و فعل میں تضاد کا مرتکب ہو سکتا ہو اور اپنی بات سے پھر سکتا ہو بھلا ایسے شخص سے کیسے امید کی جاسکتی ہے کہ وہ اللہ کے بارے میں جھوٹ نہیں بولے گا، غلط بیانی سے کام نہیں لے گا۔ چنانچہ حضرت محمد ﷺ کے بارے میں روم کے بادشاہ ہرقل کا دلچسپ واقعہ حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے۔ جب ہرقل کو معلوم ہوا کہ عرب میں ایک نبی کا ظہور ہوا ہے تو اس نے عرب تاجروں کو طلب کیا۔ اتفاق سے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ جو ابھی تک ایمان نہیں لائے تھے، موجود تھے۔ ہرقل نے ابوسفیان سے پوچھا: کیا وہ لوگوں سے جھوٹ بھی بولتا ہے ابوسفیان نے جواب دیا کہ نہیں۔ ہرقل نے کہا کہ جو انسانوں سے جھوٹ نہیں بولتا وہ اللہ کے ساتھ جھوٹ کا مرتکب کیسے ہو سکتا ہے۔ نبی دراصل زمین پر اللہ کا نمائندہ ہوتا ہے۔ خود ساختہ قائد یا لیڈر نہیں بلکہ مامور من اللہ ہوتا ہے۔ اس کا قول و فعل حق و باطل کے لئے کسوٹی اور اس کی ذات خیر و شر میں تمیز کی میزان ہوتی ہے۔ اس کی اطاعت و نافرمانی پر جنت و جہنم کے فیصلہ کا انحصار ہوتا ہے۔ غور

کرنے کی بات ہے کہ بنی نوع انسان کے لئے اتنے دور رس نتائج جس ذات سے وابستہ ہوں اس سے ادنیٰ نقص کی نسبت کس قدر سنگین ہے۔ نبی اور اس کی صفات پر ایمان کو ہم حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ سے اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں جب رسول اللہ ﷺ نے اہل مکہ سے کہا کہ میں راتوں رات مکہ سے بیت المقدس گیا اور واپس آ گیا تو کفار مکہ دوڑے دوڑے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ انھیں گمان تھا کہ ابو بکر بیت المقدس جا چکے ہیں مکہ سے بیت المقدس جانے میں ایک ماہ اور واپس آنے میں ایک ماہ لگتے ہیں، بھلا وہ کس طرح محمد کے اس دعوے کی تصدیق کر سکتے ہیں؟ بغلیں بجاتے ہوئے اس خیال سے خوش کہ آج محمد کی تکذیب خود انھیں کے ساتھی کے ذریعہ ہو جائے گی، ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور سارا واقعہ سنانے کے بعد پوچھا کہ کیا یہ ممکن ہے؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بلا ادنیٰ تامل یہ کہا اگر محمد ﷺ کہتے ہیں تو سچ ہے۔ عقل کی پہنچ سے دور غیبی حقائق کی تردید یا ان میں شک بشرط یہ کہ وہ صحیح طور پر رسول سے ثابت ہوں، ایمان بالرسالت کے منافی ہے۔

انبیاء کے بارے میں یہ اعتقاد بھی غلط ہے کہ انھوں نے بعض باتیں بعض مخصوص لوگوں کو ہی بتائیں یا کچھ علوم ہیں جو سینہ بسینہ خاص افراد کے لئے مخصوص اور محدود ہیں۔ ایسے سمجھنا دراصل نبی پر اتہام ہے۔ نبی کتمان حق کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔ اگر ایسا کچھ ہے تو وہ دین نہیں ہے۔ رسول اللہ نے خطبہ حجۃ الوداع میں سارے لوگوں سے پوچھا: «أَلاَ هَلْ بَلَّغْتُ» (کیا میں نے تم لوگوں کو دین پہنچا دیا) تو لوگوں نے کہا: ہاں پہنچا دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پر اللہ کو گواہ بناتے ہوئے فرمایا: «اللَّهُمَّ فَاشْهَدْ» (اے اللہ تو بھی گواہ رہ) (متفق علیہ)